ہو گی اسی تناسب سے قوم مضبوط اور سربلند ہو گی ۔ پاکستان کے لیے اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس کی قسمت کو کس فرد یا کس گروہ یا کس سیاسی جماعت کے ساتھ وابستہ کیا جائے بلکہ تاریخ کے اس نازک ترین دور میں اس کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اسے قوت وطاقت کے اس اتھاہ سمندر سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے لیے کس طرح آمادہ کیا جائے جس سے منہ موڑ کر وہ ایک باعزت قوم کی حیثیت سے کبھی زندہ نہیں رہ سکتی ۔ ملتِ اسلامیہ کے لیے دینِ حق کی حیثیت روح کی سی ہے اور وہ اگر اس کے جسد سے نکل جائے تو پھر یہ قوم ایک بے گور و کفن لاش رہ جاتی ہے جس کی بوٹیاں نوچنے کے لیے سرخ و سفید سامراج کی چیلیں ہمیشہ تیار رہتی ہیں ۔ ہم اس حقیقت کو اب اگر پوری طرح ذہن نشین کر کے اسلام کے مطابق عمل شروع کر دیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتی لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر کے جو تدبیر بھی اختیار کی جائے گی وہ ہمارے لیے بربادی اور موت کا پیغام ثابت ہو گی ۔

دوسری چیز جو ہماری تباہی کا سبب بنی ہے وہ ملک میں آمریت کو مسلط کرنے کی سخت عاقبت نااندیشانہ کوشش ہے ۔ پاکستانی قوم جس کے اندر ہم اپنی حماقتوں سے ابھی تک وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل یا دوسرے لفظوں میں اسلامی قومیت کا واضح شعور اور احساس پیدا نہیں کر سکے ، کے بارے میں اس ملک کے حکمرانوں کو بڑا محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے ۔ ہمارے ملک کے عوام اس وقت جذباتی خلا کے اندر زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ وہ ابھی تک زندگی کی اُن اعلیٰ اقدار سے لذت آشنا نہیں ہوئے جن کی روشنی میں مادی مفادات بالکل ماند پڑ جاتے ہیں اور ارفع اقدار کے حاملین ملک کے اجتماعی مفاد کے لیے بڑی سے بڑی مادی منفعت سے بخوشی دست بردار ہونے پر آمادہ ہو سکتے ہیں ۔ موجودہ حالات میں جبکہ قوم اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اپنے اصل نصب العین سے دن بدن دور ہوتی جا رہی ہے اور ملک کا ہر طبقہ اور گروہ اپنے حقوق اور مفادات کے بارے میں غیر معمولی طور پر حساس بنتا جا رہا ہے ملک کے حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک میں جمہوریت کو پوری تندہی اور خوش دلی کے ساتھ فروغ دینے کی کوشش کریں تاکہ کسی طبقے کے اندر احساسِ محرومی پیدا نہ ہونے پائے ۔ اس احساسِ محرومی نے ہی مشرقی اور مغربی پاکستان میں پہلے بھی جدائی پیدا کی ہے ۔

اگر یہاں جمہوریت فروغ پالے تو ہر طبقے اور گروہ کو ملک کے انتظام و انصرام میں مناسب نمائندگی حاصل ہوگی اور اس طرح اس کے اندر احساسِ محرومی نے جو تلخیاں پیدا کر دی ہیں وہ دور ہو جائیں گی اور پوری قوم یک جان ہوکر اور پاکستان کو اپنے آقاؤں اور فرمانرواؤں کی جاگیر سمجھ کر نہیں بلکہ اپنا ملک جان کر اور قومی آرزوؤں اور ملی اُمنگوں کا مرکز و مسکن سمجھتے ہوئے نئے عزائم اور نئے ولولوں کے ساتھ میدانِ عمل میں اُتر پڑے گی۔

احساس محرومی کے خاتمے کے علاوہ ملک میں قیادت کا جو ایک خلا محسوس کیا جا رہا ہے وہ جمہوریت کے ذریعے ہی بطریق احسن پُر ہو سکے گا اور کسی طالع آزما کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ اپنے جیسے انسانوں پر اپنی خدائی قائم کرے۔ آمریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں جو شخص بھی اقتدار کے تخت پر متمکن ہوتا ہے وہ انا ولاغیری کے جذبے سے سرشار ہو کر امور مملکت چلاتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ملک اور اس کے باشندے اور دوسرے وسائل تنہا اس کی ذات کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ جو چاہے کرے اور کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ایک فرد کی کبریائی کا سکہ کسی معاشرے میں اسی صورت میں چل سکتا ہے جب دوسرے تمام لوگ اس کے مقابلے میں نہایت پست نظر آئیں۔ اسی بنا پر جو شخص آمرانہ عزائم لے کر اُٹھتا ہے اُسے ہمیشہ اس بات کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اُس کی ذات تمام اعلیٰ صفات کے پیکر کی حیثیت سے عوام میں نمایاں ہو اور دوسرے تمام افراد جو اپنے اخلاص، اپنے فہم و تدبر اور دیگر قائدانہ صلاحیتوں کی بنا پر عوام کی توجہ کا مرکز بن سکتے ہوں، اُن کی شخصیتوں کو اس حد تک مسخ کر دیا جائے کہ لوگ اُن سے نفرت کرنے لگیں اور اس طرح عوام کی نظروں کے سامنے صرف آمر کی ذات گرامی ہی رہ جائے جسے وہ یک سوئی کے ساتھ پوجتے رہیں۔ آمر کے لیے یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسی اُبھرتی ہوئی شخصیت کو گوارا کرے جو اس کے اقتدار کے لیے کبھی خطرے کا باعث بن سکے۔ اس لیے آمر اپنے اردگرد صرف اُن لوگوں کو جمع کرتا ہے جو اس کے سامنے بونے نظر آتے ہوں تاکہ اُن کی موجودگی میں اس کا اپنا قد کاٹھ غیرمعمولی حد تک نمایاں دکھائی دے۔ جس ملک میں آمریت کا دور دورہ ہوتا ہے وہاں کسی متبادل قیادت کے ابھرنے کے امکانات قریب قریب معدوم ہوتے ہیں اور جب عوام تنگ آ کر حکومت کرنے والے ہاتھوں کو تبدیل کرنے کی کوشش